

ڈراما: قرطبہ کا قاضی

مصنف: سید امتیاز علی تاج

مصنف کا تعارف:

سید امتیاز علی تاج ایک نامور ادیب اور ممتاز ڈرامہ نگار تھے۔ انھوں نے ریڈیو، اسٹیج اور فلم کے لیے بھی کام کیا۔ انھوں نے شاعری بھی کی مگر ان وجہ شہرت ڈراما نویس بنی۔ آپ کے ڈراموں میں انسانی جذبات کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔ پر اثر اور موزوں مکالمے ہوتے ہیں۔ آپ کے ڈراموں میں عمدہ کردار نگاری نظر آتی ہے۔ ایک جہتی یا ایک سمتی کرداروں کو زندہ کرتے ہیں۔ آپ کے ڈراموں کی کہانی دلچسپ ہوتی ہے اور اس میں بھرپور کشمکش اور ڈرامائیت بھی ہوتی ہے۔ امتیاز علی تاج نے مشہور زمانہ ڈراما 'انار کلی' صرف ۲۲ سال کی عمر میں لکھا اور یہ ڈراما اردو ادب اور بین الاقوامی ادب کے بہترین ڈراموں میں شمار ہوتا ہے۔

سید امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں تاریخی پس منظر، حقیقت نگاری، وحدتِ زمان و مکان، وحدتِ تاثر اور واقعات کا تسلسل بھی پایا جاتا ہے۔ وہ واقعات کے ساتھ ساتھ مکالمات میں بھی تسلسل برقرار رکھتے ہیں۔ ان کے ڈراموں میں متانت اور سنجیدگی بھی پائی جاتی ہے۔ ان کا اسلوب بیان سادہ ہے۔ وہ رواں اور سلیس زبان استعمال کرتے ہیں۔

ڈرامے کا تعارف:

قرطبہ کا قاضی ایک تاریخی ڈرامہ ہے۔ یہ ڈراما مصنف کا اپنا طبع زاد نہیں ہے بلکہ انگریز ڈراما نویس 'لارنس ہاؤس مین' کی ایک ایکٹ کی بہت کامیاب ٹریجڈی ہے جس کی ہر ہر سطر میں قوت اور الم موجود ہے۔ امتیاز علی تاج نے اس ڈرامے کو اس خوبی سے سرزمینِ اندلس کا واقعہ بنا دیا ہے کہ گمان بھی نہیں گزرتا کہ یہ انگریزی کے ایک ڈرامے سے مستعار ہے۔ انھوں نے اس ڈرامے کو باکمال ترجمہ سے تصنیف کا درجہ دیا ہے۔

مرکزی خیال:

ڈراما قرطبہ کا قاضی اسلام اور مسلمانوں کے مثالی عدل و انصاف کی ترجمانی کرتا ہے۔ اسلام کی شان عدل و انصاف ہے۔ وہ لوگ جنہیں دنیا میں عدل و انصاف کرنے کی ذمہ داری اور اختیار ملتا ہے انہیں ہر فیصلہ کرتے وقت بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے تاکہ ان کے کسی غلط فیصلے کی وجہ سے کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہو جائے۔ عدل و انصاف تمام خونی رشتوں، سفارشوں اور مصلحتوں سے آزاد ہوتا ہے۔ عدل و انصاف کے بغیر کوئی بھی معاشرہ چل نہیں سکتا ہے۔ معاشرے کی ترقی اور عروج کے لیے عدل و انصاف بہت ضروری ہوتا ہے۔

”کفر کا نظام تو چل سکتا ہے مگر ظلم اور نا انصافی کا نظام نہیں چل سکتا۔“

اس ڈرامے سے ہمیں عدل و انصاف کے علاوہ صبر، برداشت، غصے پر قابو پانے اور اپنی اخلاقی حدود میں رہنے کا سبق بھی ملتا ہے۔

ڈرامے کے اہم فکری نکات:

عدل و انصاف:

اس ڈرامے کے ذریعے مصنف نے عدل و انصاف کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلمانوں کے مثالی عدل و انصاف کو بیان کیا ہے۔ اس ڈرامے میں قانون کی بالادستی دکھائی گئی ہے۔ قاضی یحییٰ بن منصور اپنے بیٹے کو ایک غیر ملکی مہمان کے قتل کے جرم میں نہ صرف پھانسی کی سزا کا فیصلہ سناتا ہے بلکہ اسے اپنے ہاتھوں سے پھانسی بھی دیتا ہے۔ قاضی اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے اپنے بیٹے کو بچا سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے مسلمانوں کے مثالی عدل و انصاف کو برقرار رکھا۔

انصاف کے تقاضے اور پدری شفقت:

مصنف نے اس ڈرامے میں ایک بہت ہی دلچسپ صورت حال پیش کی ہے کہ ایک طرف باپ ہے جو کہ قاضی ہے اور دوسری طرف بیٹا ہے جس پر قتل کا الزام ہے۔ بیٹا ملزم ہے اور باپ قاضی ہے لیکن بیٹے کی محبت انصاف کے تقاضوں کے سامنے رکاوٹ نہیں بنتی۔ قاضی جب اپنے بیٹے کو مجرم پاتا ہے تو وہ اس کے لیے سخت ترین سزا یعنی سزائے موت کا فیصلہ سناتا ہے۔ ایک باپ کے

لیے اپنے بیٹے کو پھانسی دینا بہت ہی مشکل کام ہے مگر قاضی انصاف پسند ہوتا ہے اور وہ بیٹے کی محبت کو قانون اور انصاف کے سامنے رکاوٹ نہیں بننے دیتا۔

ریاست کا قانون اور اس کی مستثنیات:

انگریزی میں مستثنیات کو (Exceptions) کہتے ہیں۔ ہر ملک کے قانون میں بھی کچھ مستثنیات، رعایت یا چھوٹ ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اس ڈرامے میں غیر ملکی مہمان زبیر کو غصہ اور اشتعال دلاتا ہے جسے انگریزی میں (Sudden Provocation) کہتے ہیں۔ غصے اور اشتعال میں کیا جانے والا قتل قابلِ معافی ہوتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ قتل کے لیے پہلے سے کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی ہو۔ اسی طرح اپنی حفاظت اور دفاع یعنی (Self Defense) میں بھی کیا جانے والا قتل قابلِ معافی ہوتا ہے۔ لیکن اس ڈرامے کے قاضی کو یہ لگتا ہے کہ زبیر نے قتل صرف اس لیے کیا تھا کہ اسے اس لڑکی کی محبت حاصل ہو سکے، اس لیے قاضی کی نظر میں زبیر مجرم تھا، جب کہ شہر کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ غلطی اس مہمان کی ہے۔ اس نے معاشرے کی روایات اور رسم و رواج کے خلاف دوسرے قبیلے، قوم یا ملک کی لڑکی سے محبت کا اظہار کیا اور جو کہ ایک غیر اخلاقی حرکت سمجھی جاتی تھی۔ لوگوں کو یہ لگتا تھا کہ زبیر نے غصے میں آکر اور غیرت کی وجہ سے قتل کیا ہے اس لیے اسے سزا نہیں ملنی چاہیے۔ مگر قاضی وہی کرتا ہے جو اس کی نظر میں صحیح اور درست ہوتا ہے۔

انسانی سیرت اور کردار کے اثرات:

زبیر کے اچھے کردار اور اچھی سیرت کی وجہ سے شہر کے لوگ اس سے محبت بھی کرتے تھے اور اس کی عزت بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شہر کے تمام لوگوں نے اجتماعی طور پر زبیر کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ شہر کے لوگ زبیر کی عزت اس لیے نہیں کرتے تھے کہ وہ قاضی کا بیٹا تھا بلکہ اس کے اچھے کردار اور اچھی سیرت کی وجہ سے اس کی عزت کرتے تھے۔ اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے انسان کی اچھی سیرت اور کردار کی کتنی اہمیت ہوتی ہے اور اس کا لوگوں پر کتنا زیادہ اثر پڑتا ہے۔

محبت سے ابھرنے والا المیہ:

قرطبہ کا قاضی ایک المیہ ڈراما ہے۔ اس ڈرامے کا اختتام ایک المیے پر ہوتا ہے۔ مگر اس ڈرامے کی دلچسپ بات یہ ہے اس ڈرامے میں محبت سے ابھرنے والے المیے کا بیان ہے۔ زیر محبت کی خاطر ایک اجنبی کا قتل کر دیتا ہے۔ اجنبی اور زیر دونوں ایک ہی لڑکی سے محبت کرتے ہیں لیکن انجام یہ ہوتا ہے کہ ایک قتل ہو جاتا ہے اور دوسرے کو سزائے موت ہو جاتی ہے۔

اس کو چاہا بھی تو اظہار نہ کرنا آیا

کٹ گئی عمر ہمیں پیار نہ کرنا آیا

امید اور ناامیدی کی علامت:

اس ڈرامے کی ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اس ڈرامے کے دو اہم کردار حلاوہ اور عبد اللہ دراصل امید اور ناامیدی کی علامت ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ہونے والے گفتگو دراصل امید اور ناامیدی کی کشمکش اور جذباتی کیفیت ہے۔ حلاوہ ناامید ہوتی ہے کہ زیر کو پھانسی سے نہیں بچایا جاسکتا کیوں کہ وہ جانتی ہے کہ قاضی ایک بار جو فیصلہ کر لے وہ پتھر پر لکیر ہے اور پھر اسے بدلہ نہیں جاسکتا، جب کہ دوسری طرف عبد اللہ کو یہ امید ہے کہ زیر کو پھانسی سے بچالیا جائے گا، کیوں کہ شہر میں قاضی کے سوا ہر کوئی زیر کو بے قصور سمجھ رہا ہے اور کوئی بھی شخص قاضی کے اس فیصلے کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ڈرامے کے پہلے تین صفحات میں عبد اللہ اور حلاوہ کے درمیان جو مکالمہ ہوتا ہے وہ دراصل امید اور ناامیدی کے درمیان ہونے والی گفتگو ہے۔ مندرجہ ذیل مکالمے ملاحظہ فرمائیں:

عبد اللہ: ”سارے قرطبہ میں ایک شخص نہیں جو کسی کے حکم سے بھی اسے سولی پر چڑھائے۔ خواہ اس کے اپنے باپ کا فتویٰ ہو۔“

حلاوہ: ”باپ قاضی ہے۔“

عبد اللہ: ”کہا جو کہ اس کے فتوے پر عمل نہ ہو گا۔“

حلاوہ: ”باہر سے لوگ بلا لیے جائیں گے۔ جو اسے ویسے نہیں جانتے۔ جس طرح ہم جانتے ہیں۔ انھیں قانون جو کہے گا وہ کر ڈالیں گے۔“

ان مکالموں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حلاوہ کو زیر کے بچ جانے کی کوئی امید نہیں ہے جب کہ عبد اللہ پر امید ہے کہ زیر کو پھانسی سے بچا لیا جائے گا۔ یہی اس ڈرامے کی خوبصورتی ہے کہ تجسس آخری لمحے تک برقرار رہتا ہے۔

اسلوب نگاری یا طرز تحریر کی خصوصیات:

ڈرامائیت اور کشمکش یا تجسس:

کسی بھی ڈرامے کی کامیابی کے لیے اس میں ڈرامائیت یا ڈرامائی عنصر ہونا لازمی ہے اور اس خوبی کے بغیر کوئی بھی ڈراما، ڈرامے کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتا۔ ڈرامائیت سے مراد غیر معمولی واقعہ یا معمول سے ہٹ کر کسی صورت حال کو اس ڈرامائی انداز میں پیش کرنا کہ قاری کا ذہن اسے تسلیم کر لے، یعنی قاری یہ نہ کہے کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ قاری کو صورت حال اور واقعہ دلچسپ اور غیر معمولی بھی لگے اور وہ یہ تسلیم بھی کر لے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈرامے میں تجسس یا کشمکش کا ہونا بھی ضروری اور لازمی ہے تاکہ قاری ڈرامے کو آخر تک پڑھے یا دیکھے۔ سید امتیاز علی تاج کا ڈراما قرطبہ کا قاضی اس معیار پر پوری طرح اترتا ہے کیوں کہ مصنف نے اس ڈرامے میں یہ غیر معمولی واقعہ پیش کیا ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو سزائے موت کا حکم سناتا ہے اور پھر خود اپنے ہی ہاتھوں سے اسے پھانسی بھی دیتا ہے۔ جب کہ دوسری طرف تجسس آخری لمحے تک برقرار رہتا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ اگر کشمکش نہیں ہے تو ڈراما، ڈراما نہیں ہے۔ جب تک کرداروں کے درمیان یا کرداروں کی اپنی شخصیت کے اندر کوئی کشمکش نہیں یا کوئی ٹکراؤ نہیں ہو رہا تو ڈرامہ نہیں ہے۔ قرطبہ کا قاضی میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ایک طرف باپ کے لیے بیٹے کی محبت ہے تو دوسری طرف انصاف کے تقاضے۔ قاضی اپنی شخصیت میں اپنے خلاف لڑ رہا ہے۔ اسی طرح حلاوہ (نامیدی) اور عبد اللہ (امید) کے بچ کشمکش دکھائی دیتی ہے۔

کردار نگاری:

ڈراما بنیادی طور پر کردار ہے۔ جو واقعہ پیش ہونا ہے وہ کردار ہی کے ذریعے پیش ہونا ہے۔ ڈرامے میں واقعہ سنایا نہیں جاتا بلکہ پیش کیا جاتا ہے اور ادا کیا جاتا ہے۔ ڈرامے کے کرداروں کی تعداد محدود ہونی چاہیے۔ ڈرامے کے کرداروں کو عام طور پر یک جہت یا یک رخ دکھایا جاتا ہے۔ ہم ڈرامے میں کردار کو صرف ایک ہی صورت حال میں رد عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کامیاب ڈراما نگار یک جہت یا یک سمتی کردار کو زندہ کرتے ہیں اور یہی مصنف کی خوبی ہوتی ہے۔ کردار اپنی ایک خوبی یا خامی کی وجہ سے یادگار ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ کردار نامکمل تھا۔ قرطبہ کا قاضی میں بھی امتیاز علی تاج نے کرداروں کی ایک خوبی یا خامی کی وجہ سے انہیں مکمل اور زندہ کردار بنادیا۔ مثلاً قاضی کی انصاف کی خوبی، حلاوہ اور عبد اللہ کا زبیر کے ساتھ جذباتی اور محبت کا تعلق، زبیر کا محبت اور غیرت کی خاطر غصے میں آکر مہمان کو قتل کرنا۔ امتیاز علی تاج کرداروں کو ان کے جذبات و احساسات اور ان کی ضروریات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کے کردار انسانی کردار ہیں اور ان کی خواہشات اور جذبات بھی انسانی ہیں۔

مکالمہ نگاری:

ڈراما، مکالمہ ہے۔ ڈرامے میں جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ مکالمے کے ذریعے پہنچتا ہے۔ مصنف کرداروں کی زبان ہی سے کہلاتا ہے اور یہ کہلوانا ہی مکالمہ ہے۔ مکالمے کو کردار کی سماجی، علمی اور جذباتی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شہزادہ بات کرے تو وہ شہزادوں ہی کی طرح گفتگو کرے گا۔ ایک عالم کی باتوں سے اس کا علم ظاہر ہو گا۔ اگر کوئی غصے میں ہے تو اس کا اظہار الفاظ اور مکالموں ہی سے ہو گا۔ کسی واقعے پر کردار کے رد عمل کو مکالمے ہی کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے۔ کردار کی خوبی یا خامی کو مکالمے کے ذریعے ہی بیان کیا جاتا ہے۔

حلاوہ کے مکالموں میں ایک ماں کی محبت اور جذبات دکھائی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مایوسی اور ناامیدی بھی دکھائی دیتی ہے جو کہ قاری کو بالکل فطری معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح عبد اللہ کو مرد ہونے کی وجہ سے مضبوط انسان دکھایا ہے اور اس کے مکالموں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے امید ہے کہ زبیر بچ جائے گا، اس کے علاوہ عبد اللہ کے مکالموں میں قاضی کے خلاف بغاوت، غصے اور ناراضی کے جذبات بھی دکھائے دیتے ہیں۔ کرداروں کے مکالمے اس ڈرامے میں ان کے پس منظر اور ان کی جذباتی حیثیت کے

مطابق ہیں۔ اسی طرح قاضی کے مکالموں میں سنجیدگی اور پختہ عزم دکھایا گیا ہے جو کہ ایک انصاف پسند قاضی کی حیثیت کے مطابق ہے۔ اس کے علاوہ مصنف نے خود کلامی سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً حلاوہ خود سے بات کرتے ہوئے کہتی ہے:

”کیسی کالی صبح! میرے رب! کیسی کالی صبح!“

اس ڈرامے کے مکالموں کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ مصنف نے غیر ضروری اور لمبے لمبے مکالمے نہیں لکھے۔ مکالموں کی زبان سادہ اور آسان ہے۔ ڈرامے کا ہر مکالمہ پلاٹ کو آگے بڑھاتا ہے۔ مکالموں کا آپس میں ربط اور تسلسل بھی ہے۔ وہ مکالموں کے ذریعے واقعات کو آگے بڑھاتے ہیں اور واقعات میں تسلسل بھی قائم رکھتے ہیں۔

وحدتِ تاثر (Unity of Impression):

ایک کامیاب اور معیاری ڈرامے میں وحدتِ تاثر کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ہم ایک ہی کہانی یا پلاٹ میں بہت سارے باتوں یا موضوعات (Themes) کو بتانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم کہانی کے کسی بھی تاثر کو مکمل طور پر قاری تک نہیں پہنچا سکتے۔ اس لیے ضروری ہو کہ کہانی بہت سادہ ہو اور صرف ایک سمت میں چلے۔ ڈرامے کی کہانی پیچیدہ تو ہو لیکن صرف کسی ایک واقعے کے ارد گرد گھومتی ہو۔ قرطبہ کا قاضی کی کہانی میں وحدتِ تاثر ہے اور اس کی کہانی بھی صرف ایک موضوع اور ایک واقعے کے گرد گھومتی ہے۔

وحدتِ زمان و مکاں (Unity of time and place):

ڈرامے کی کہانی زمان و مکاں کے اعتبار سے بہت محدود ہونی چاہیے۔ ڈراما نگار کی خوبی یہی ہے کہ وہ اسی محدود وقت اور محدود جگہ میں اپنے کرداروں اور صورتِ حال کو کس طرح پیش کرے کہ وہ ناظرین کی دلچسپی برقرار رکھ سکے۔ قرطبہ کا قاضی وحدتِ زمان و مکان کے معیار پر بھی پورا اترتا ہے۔ اس ڈرامے کا واقعہ اس صبح کا ہے جب زبیر کو پھانسی دی جانی تھی یعنی پورے ڈرامے میں ایک ہی وقت ہے۔ اسی طرح یہ پورا ڈراما قاضی کے گھر، عدالت اور اس جگہ پر محدود ہے جہاں زبیر کو پھانسی دی جاتی ہے۔ یعنی پورے ڈرامے میں جگہ اور مقام بھی ایک ہی ہے۔

## منظر نگاری:

مصنف نے اس ڈرامے میں بھرپور منظر نگاری سے کام لیا ہے۔ انھوں نے مختلف مناظر پیش کیے ہیں، مثلاً غرناطہ میں قاضی یحییٰ بن منصور کے مکان کا منظر۔ زبیر کو سولی دینے کے وقت اور وہاں کے پر موجود افراد کا منظر۔ حلاوہ کی زبانی قاضی کا اپنے ہاتھوں سے بیٹے کو پھانسی دینے کا منظر۔ قاضی کی اس حالت کا منظر جسے عبداللہ بیان کرتا ہے جب قاضی اپنے بیٹے کو پھانسی دینے کے بعد افسردہ اور نڈھال ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قاضی کا کمرے کی کھڑکی کو بند کر کے خود کو قید کرنے کا منظر۔ اس کے علاوہ جیل خانے کا منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔

”افسر سلاخوں والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے۔ گلی اندھیری ہے۔ سلاخوں والے دروازے کے اندر اور زیادہ اندھیرا ہے۔ اس اندھیرے میں صرف اتنا معلوم ہو پاتا ہے کہ قیدی باہر آیا۔“

قاضی کے ایوان کا منظر:

”ایوان میں ایک بڑی میز ہے جس پر ایک شمع دان رکھا ہے۔ میز کے قریب ایک بنچ اور چند کرسیاں پڑی ہیں۔ دیواروں پر اسلحہ اور جانوروں کے سر لگے ہیں۔ صبح کے دھندلکے میں حلاوہ بنچ پر بیٹھی ہے۔ سر گھٹنوں سے لگا رکھا ہے۔“